تنقیدی تھیوری کا تشکیلی تنوع

The Constructive Diversity of Critical Theory

ارشد محمود ہادیؔ

لیکچرر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

Abstract:

This article explores the process of critical theory formation. Variations and diversity in the meaning of classical, modern, and contemporary critical theory are identified and explored through an understanding of the term "theoria" from the ancient Greek period. How much diversity has been created by epistemology in the formation of theory and what is the role of theory in the interpretation of literature, it is explained in this article. In this study, the theoretical possibilities are also discussed, and sought out the diversity from ancient to contemporary concept of theory.

کلیدی الفاظ: تنقید، تعبیرات، تنقیدی تھیوری، یونانی تھیوریا، تنوع، جدیدیت، مابعد جدیدیت

انسانی زندگی کی ابتدا سے اب تک انسانی تفکر کئی مراحل سے گزرا ہے اور یہ سلسلہ وار اپنی ہر نئی جستجو میں نئے سے نئے علم کا اضافہ کرتے ہوئے زندگی کو متاثر کر رہا ہے۔ حقیقت و صداقت کی تلاش اور تفہیم اس جستجو اور تفکر کا محور رہا ہے۔ حقیقت کی تلاش و تفہیم کا ہر دور کسی نہ کسی تنقیدی شعور سے ہو کر گزرا ہے۔ چاہے یہ شعور اساطیری ماورائی یا نیم مذہبی تفکر پر مشتمل ہو، جس کی علمیات داستانوں سے بھری پڑی ہیں۔ یا پھر اس مذہبی مستقیمی تصورِ حیات پر مشتمل ہو، جس نے اقداری نظام کا تعین کیا اور جس کی علمیات محوری عہد سے کلاسیکی قدامت پسندی کے عہد تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ علمیات کا تعلق چاہے انیسویں صدی کی جدیدیت اور منطقی اثباتیت سے ہو، جس نے قدامت پسندی کے ہر تصور پر ضرب لگائی، اس کے پس منظر میں تنقیدی شعور موجود رہا ہے۔

اس طرح کسی بھی نظریے اور تھیوری کے پیچھے تنقیدی شعور کارفرما ہوتا ہے اور جب سے انسان نے تنقیدی شعور سے کام لیا، تب سے نظریے اور تھیوری کے تشکیلی عمل کا آغاز ہوا ہوگا۔ "سمیرین، میسوپوٹامین اور

بیبلونین تختیاں، جن سے ریاضی کے استعمال کا علم ہم تک پہنچا، بابلی گلگامش، بارہویں سے گیارہویں صدی قبل از مسیح میں King Wen کا لکھا گیا قدیم طریقۂ تقدیر (جسے بعد میں Book of Change کے نام سے ترجمہ کیا گیا)، آٹھویں صدی قبل از مسیح میں لکھی گئی ہومر کی رزمیہ نظمیں ایلیڈ اور اوڈیسی، 551 سے 479 قبل از مسیح کے دوران چائنہ میں کنفیوشس کی تعلیمات، 624 سے 546 قبل از مسیح میں پہلے یونانی فلسفی تھیلیز (Thales of Miletus) کا کائنات سے متعلق سوالات کے اولین عقلی جوابات دینا، 570 سے 495 قبل از مسیح میں یونانی مفکر فیثا غورث کا فلسفہ اور ریاضی کو یکجا کرنا"، (1) وغیرہ وغیرہ یہ سب اگرچہ تخلیقی شعور کا حامل کام ہیں لیکن اِس تخلیقی پس منظر میں تنقیدی شعور لازماً موجود تھا۔ قدیم فلسفے سے جدید فلسفے تک جتنے بھی فلسفی یا نقاد آئے ان سبھی نے اپنے تنقیدی شعور سے زندگی اور کائنات کے بارے میں اپنے نظریات قائم کیے جنھوں نے بعد کے فلاسفر کے تنقیدی شعور کی راہ ہموار کی۔ جن کا مقصد فطرت کی سچائی کا پتہ لگا کر اس کو انسانی زندگی پر منطبق کرنا تھا۔ جس طرح حقیقت کے ادراک کی کئی صورتیں، رویے، رجحانات، تحاریک اور نظریات ملتے ہیں اسی طرح تھیوری بھی کثیر الجہات ہے جس کی تشکیل کئی ہزار سالوں پر محیط ہے۔

لفظ تھیوری (Theory)، "A Greek-English Lexicon" ڈکشنری کے مطابق "قدیم یونانی لفظ تھیوریا (Θεωρία) سے عبارت ہے۔ جس کا عام مفہوم انگریزی میں (A Looking at, Viewing, Beholding, To Go abroad to see the world) بتائے گئے ہیں۔ (2)

(اردو میں اس حوالے سے دو مفہوم سامنے آتے ہیں پہلا مفہوم غور و فکر کے معنوں میں ہے جب کہ دوسرا اس جماعت سے متعلق ہے جو کائنات کے بارے میں جاننے کے لیے دور دراز سفر کرتی ہے۔) بطور اصطلاح تھیوریا کا ترجمہ انگریزی میں (Contemplation, Philosophic Reasoning of the Mind) کیا گیا ہے۔ (3)

یونانی لفظ تھیوریا ریاضی کی مخصوص علامتوں بالترتیب:

Theta(Θ)، Epsilon (ε)، Omega (ω) ، Rho (ρ)، iota (ί)، اور Alpha (α)

پر مشتمل ہے۔ اس تناظر میں دھیان فیثا غورث کی طرف چلا جاتا ہے۔ جس نے کائنات کی سچائی جاننے کے لیے Number Theory پیش کی۔ کائنات کے بارے میں فیثا غورث سے پہلے Thales (624-546 BCE) پہلا یونانی فلاسفر تھا جس نے کائنات کے بارے میں جاننے کے لیے عقلی جوابات تلاش کرتے ہوئے یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات کی ہر شے پانی سے بنی ہے۔

"Everything is made of water."(4)

یہ سائنسی تھیوری تھی۔ فیثا غورث نے کائنات کے بارے میں جاننے کے لیے ریاضی کا سہارا لیا۔ جس کے مطابق کائنات کی ہر چیز ریاضی کے اصولوں اور تناسب کے مطابق ہے۔ وہ یہیں اکتفا نہیں کرتا بلکہ اُس نے ریاضی کو فلسفیانہ فکر کا کلیدی نمونہ قرار دیا۔ اُس کے بقول:

"Number is the ruler of forms and ideas."(5)۔

فیثا غورث کے بارے میں سقراط اور افلاطون نے کہا تھا کہ "فیثا غورث زندگی کے نئے راستے کا بانی ہے"۔ (Plato, Republic, 600a, Isocrates, Busiris, 28) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سقراط اور افلاطون فیثا غورث سے متاثر تھے۔ افلاطون ریاضی کا اس قدر قائل تھا کہ اُس نے اپنی اکادمی کے دروازے پر یہ لکھ رکھا تھا کہ "جیومیٹری سے نابلد کوئی شخص اندر داخل نہیں ہو سکتا"۔ ریاضی کی تعلیم لازمی تھی۔ فیثا غورث کے مقلدین کی طرح افلاطون کا بھی خیال تھا کہ یہ عالمِ محدود جیومیٹری کے اساسی تصورات پر تشکیل دیا گیا ہے۔(6)

یونانی دور کی تنقید پر غور کیا جائے تو ان سب کا معاملہ ماورائی تصور یا وجدان اور ہیئت سے باہر نہیں گیا۔ وہ سچائی کو وجدانی تخیل (تھیوریا) کے ذریعے کسی نہ کسی ہیئت (Form) میں تلاش کرتے تھے۔ اس لحاظ سے یونانی دور میں ہیئتی تنقید کے نقوش ابھرتے نظر آتے ہیں۔ فیثا غورث کی طرح افلاطون نے بھی سچائی کی تلاش کے لیے وجدانی تخیل (تھیوریا) سے کام لیا۔ ادبی تنقید میں اُس کا نظریۂ وجدان اہم نظریہ ہے۔ جس کے مطابق وہ تصور یا خیال کو نہ صرف اہم سمجھتا ہے بلکہ بنیادی ساخت بھی سمجھتا ہے۔ بقول وہاب اشرفی:

> "افلاطون ideas ہی کو سچائی کہتا ہے یعنی idea یا خیال یا تصور بنیادی ساخت رکھتا ہے بقیہ تمام چیزیں اس کی نقل ہیں۔ نقل کبھی اصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا سچائی سے دور ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ادب ہو کہ فن کہ مصوری کہ سنگ تراشی سبھی وقت گزارنے کی چیزیں ہیں جن کا تعلق سچائی سے نہیں ہے"۔(۷)

افلاطون نے یہ فلسفہ اپنی مشہور کتاب (Republic) میں ایک مکالمے کی صورت میں پیش کیا۔ یہی طریقہ افلاطون کے استاذ سقراط کا بھی تھا۔ جس نے نیکی اور سچائی کے بارے میں بے شمار سوالات قائم کیے۔ افلاطون تصوریت پسند تھا۔ جو ادب برائے زندگی کا قائل تھا۔ فلسفیانہ سطح پر اُس نے عقلیت کو فروغ دیا۔ (جدید فلسفے میں اس کا نمائندہ لائبنیز ہے) جس کے مطابق علم کا ماخذ عقل ہے۔ جبکہ ارسطو مادیت پسند تھا۔ جو ادب برائے ادب کا قائل تھا۔ فلسفیانہ سطح پر اُس نے عقلیت سے زیادہ تجربیت کو فروغ دیا (جدید فلسفے میں اس کا نمائندہ جان لاک ہے) جس کے مطابق انسان حسیات (تجربیت) سے حقیقت (علم) تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ جدید فلسفے میں

عقلیت اور تجربیت کو ہم آہنگ کرنے کے پیشِ نظر کانٹ نے "تنقید عقل محض" لکھی جسے جدلیاتی فکر کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ قدیم یونانی فلاسفر ہیر اکلیٹیس بھی اس مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا تسلسل ہیگل کا نظریۂ روح ہے۔ ارسطو سے پہلے کائنات یا فنونِ لطیفہ کے بارے میں نقطۂ نظر وجدانی یا روحانی نوعیت کا تھا۔ ارسطو کا کمال یہ ہے کہ وہ عقلی یا سائنسی نقطۂ نظر سے ہر شے کا جائزہ لیتا ہے۔ اور اس لحاظ سے نظریۂ جمالیات پیش کرتا ہے۔ جس سے ادب برائے ادب کی بنیاد پڑتی ہے اور وہ افلاطون سے کافی آگے نکل جاتا ہے۔ ارسطو اپنے استاذ سے اختلاف کرتا ہے کہ ماورائی تصور حقیقی نہیں ہو سکتا کیونکہ حقیقت اس دنیا سے ماورا نہیں ہو سکتی۔ یہی عالمِ محسوسات ہی دراصل حقیقتوں کا جہان ہے۔ ارسطو فیثا غورین کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ "اُن کی ریاضی عملی اطلاق سے عاری اور پُراسرار ہے"(8)۔ منطقی اعتبار سے دیکھا جائے تو ریاضی کے اصول کسی بھی مسئلے کی سچائی جاننے کے لیے یا دوسرے لفظوں میں ابہام دور کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے ارسطو کے استعمال کردہ یونانی لفظ تھیوریا میں مذکورہ بالا ریاضیاتی علامتیں کسی شے کی حقیقت کا ادراک کرتی ہیں اس لیے لفظ تھیوری (تھیوریا) سے "کسی شے کی حقیقت یا سچائی کی تلاش کرنا" مراد لی جا سکتی ہے۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں ارسطو نے اپنی کتاب بوطیقا لکھی تو اس میں اس لفظ کو اپنے فلسفے کی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا۔ اس لحاظ سے ارسطو نے باقاعدہ طور پر پہلی بار ادبی تھیوری کی تشکیل بوطیقا کے ذریعے کی(9)۔ جو اشیاء کی سچائی جاننے سے متعلق ہے۔ جس کے بارے میں ڈاکٹر اقبال آفاقی لکھتے ہیں:

> "ارسطو نے شعری آرٹ (Art Poetica) کی خصوصیات پر بحث سے فن کی تھیوری تشکیل دی ہے۔ اُس نے اشیا اور واقعات کی تشریح کے تین مدارج کی نشاندہی کی ہے۔ جس میں پہلا درجہ تھیوریا (Theoria) کا ہے۔ جس میں اشیا و حقائق کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ تھیوری علم (Episteme) کی نظریاتی توضیح کرتی ہے۔ گویا اس کا تعلق تعقلات کی تشکیل اور اشیا کے رشتوں کے افہام سے ہے۔ دوسرے درجے پر دستور و عمل (Praxis) اور صناعت و کرافٹ کا مقام ہے۔ اس کے زیرِ مطالعہ وہ تمام عوامل آتے ہیں جن کا واسطہ و تعلق عملی زندگی کی ضروریات کی تسکین اور کفالت سے ہے۔ تیسرا مقام شعریات (Poesis) کا ہے۔ شعر و فن کے معاملات عقلی معیارات کے پابند ہوتے ہیں نہ ہی وہ براہِ راست عملی زندگی کے سوالات سے بحث کرتے ہیں۔(10)

اس سیاق میں ارسطو اولین فلسفیوں میں سے ایک تھا جس نے قبل تجربی تعقلات سے احتراز کیا۔ اُس نے افلاطون کے ادھورے سچ اور نامکمل حقائق کی دنیا کی بجائے سچائی تک پہنچنے کے لیے ایک نئی سمت دریافت کی۔ کیرن

آر مسٹرانگ The Great Transformation (تہذیبوں کی کایا کلپ) میں لکھتی ہیں کہ "ارسطو نے خرد سے اس شے کا ادراک کیا جسے مذہبی لوگ وجدان سے دیکھتے آئے تھے۔(11)
ایک لحاظ سے ارسطو نے افلاطون کے نظریۂ امثال کو Theorize کیا۔ جیسے لاکاں نے لاشعور کو زبان کے عمل کے مترادف قرار دے کر فرائیڈ کے نظریۂ لاشعور کو Theorize کیا۔ ارسطو کی کتاب بوطیقا ادب کی فطرت کا اظہاریہ ہے۔ جس سے ادب میں تنقیدی روایت کی بنیاد پڑی۔ بوطیقا میں اچھے ڈرامے اور ایک اچھے رزمیے کے حوالے سے کارآمد مباحث ملتے ہیں۔ ارسطو اس سلسلے میں ایسے اصول وضوابط سامنے لاتا ہے جو نہ صرف یونانی ڈرامہ کی تشریح وتوضیح میں معاون ہیں بلکہ جدید ڈرامہ نگار کے لیے بھی خاصے کی شے ہے۔ اس طرح ارسطو نے ادب کی تفہیم وتعبیر میں اپنا الگ نقطۂ نظر اپنایا۔ اور ادب میں قاری مرکز تصور کی بنیاد رکھی۔ اس حوالے سے پیٹر بیری لکھتے ہیں:

> "تھیوری کا سب سے پہلا نمونہ ارسطو کی Poetics تھی، باوجود یہ کہ اس کا عنوان کچھ اور ظاہر کرتا ہے یہ کتاب ادب کی فطرت کے بارے میں اظہاریہ ہے۔۔۔ ارسطو اولین نقاد تھا جس نے ادب میں قاری مرکز نقطۂ نظر کی بنیاد رکھی۔(13)

یونانیوں کے بعد روم میں بھی تنقید کا ایک پڑاؤ ملتا ہے جس میں اہم نام سسرو، ہوریس اور کوئن ٹی لین کے لیے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے ابتدائی تنقیدی تصورات میں کوئی اضافہ نہیں کیا البتہ انہوں نے ادب کا رشتہ خطابت سے جا ملایا اور فصاحت وبلاغت کے اصول وضع کیے۔ انہوں نے فن کو تخلیق کے بجائے کاری گری سمجھا اور یہ سلسلہ قرونِ وسطیٰ تک جاری رہا۔
ابتدائی عیسوی دور میں یونانی لفظ تھیوریا (Θεωρία)، لسانی تشکیل کے دوران پہلے یونانی میں (*theōrein*) اور بعد میں (*theōria*) لکھا جانے لگا۔ چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں (مابعد کلاسیکل دور کا آغاز) میں جب St. Jerome (347-420 CE) نے بائبل کا ترجمہ یونانی زبان سے لاطینی زبان میں کیا تو اس نے یونانی لفظ (*theōria*) کا ترجمہ لاطینی میں (Contemplatio) کیا(13)۔ رومن نے تھیوریا کو Contemplation (غور وفکر کرنا) کے معنوں میں ترجمہ کر کے یونانی تھیوریا کے معانی یکسر بدل دیے۔ جس کے بارے میں ہائیڈگر اپنی کتاب Science and Reflection میں لکھتے ہیں:

> "The Romans translate *theorein* by *contemplari*, *theória* by *contemplano*. This translation, which issues from the spirit of the Roman language, that is, from Roman

existence, makes that which is essential in what the Greek words say vanish at a stroke.(14)

عام طور پر تھیوریا اور تھیوری کی دونوں اصطلاحیں علم کے حصول کے لیے استعمال کیا جاتی تھیں۔ تھیوریا کو الوہی علم کے حصول کے لیے جبکہ تھیوری کو غور و فکر کے بعد حاصل ہونے والے علم کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔
کلاسیکی تنقید سے لے کر اب تک تھیوری کے مفہوم میں کئی تبدیلیاں آئی ہیں۔ ابتدا سے لے کر اب تک جس فلسفی یا نقاد نے اس لفظ کا استعمال کیا اُس نے اسے غور و فکر کے معنی میں استعمال کیا۔ اور ایک اہم بات جو سب میں مشترک ہے وہ یہ کہ سب نے اس لفظ کو کسی نہ کسی سچائی کی تلاش کے لیے استعمال کیا ہے۔ چاہے فلسفہ و سائنس میں خدا، کائنات اور انسان کی سچائی ہو یا پھر ادب میں مصنف، متن اور قاری کی سچائی ہو، تھیوری ان سچائیوں کی تلاش کا ایک طریقِ کار ہے۔ ان سب سچائیوں کا رشتہ کسی نہ کسی معنی سے جڑا ہے۔ جو ادب میں مصنف اساس تنقید، قاری اساس تنقید، متن اساس تنقید اور کلچر اساس تنقید میں یکساں اور مشترک ہے۔ اس طرح معاصر تنقیدی رجحانات میں تنقیدی تھیوری اور حقیقت کے ادراک یا معنی خیزی کے طریقِ کار کی تشکیل روایتی تصورِ تھیوری کے بطن سے ابھرتی نظر آتی ہے۔
قدیم ہندوستان میں تنقید کے ابتدائی نقوش ناٹیا شاستر سے ابھرتے ہیں جسے بھرت نے سنسکرت زبان میں تصنیف کیا۔ جس میں مصنف کے بجائے قاری مرکز تعبیراتِ فن پر زور دیا گیا۔ بھرت کا یہ تنقیدی نظریہ یا مؤقف "رُس کا نظریہ" سے جانا جاتا ہے۔ جو سنسکرت جمالیات (فلسفہ، تنقید و تھیوری) کی بنیاد بنا۔[۱۵] جسے قاری اساس تنقید کی بنیاد کہا جا سکتا ہے۔ فنِ ڈراما پر ارسطو کی بوطیقا اولین کتاب شمار کی جائے تو شاستر اس ذیل میں دوسری کتاب کا درجہ حاصل کرنے کی اہل ہے۔ اس کتاب کو تیسری صدی قبل از مسیح میں مرتب کیا گیا۔ قدیم روم میں لانجائنس کو اُس کی تصنیف On The Sublime کے حوالے سے پہلا رومانوی نقاد سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کہ مذکورہ کتاب میں رومانوی تنقید کے ابتدائی نقوش نظر آتے ہیں۔ یہ کتاب افلاطون اور ارسطو کی تنقیدی فکر کا امتزاج بھی سمجھی جاتی ہے۔ لانجائنس نے پہلی بار اہتزاز اور ارتفاع پر زور دیا اور آرٹ کے جذباتی وفور کو قدر اول تسلیم کیا۔۔۔ افلاطون کے اعتراض کا جواب ارسطو نے کتھارسس کے نظریے سے دیا تھا جو دہشت اور دردمندی پیدا کر کے حاصل ہو سکتا ہے اور لانجائنس نے اہتزاز یا ارتفاع کی اصطلاح سے (16)۔ اس لحاظ سے تنقید و تھیوری کی تشکیل میں لانجائنس کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں عراق سے الجاحظ کی تصانیف "البیان والتبیین اور الحیوان" اور ابن المعتز کی کتاب "البدیع" تنقیدی تھیوری کی تشکیل میں بنیاد فراہم کرتی ہیں۔(17)

روم میں تنقید فصاحت وبلاغت کے ضابطوں سے آگے نہیں بڑھی۔ چین اور جاپان کی تنقیدی بصیرت سے، ہیئتی تنقید کے تشکیلی عناصر ملتے ہیں۔ ہندوستانی شعریات میں قاری اساس رویے کے ساتھ ساتھ ہیئت مرکز رویہ بھی ملتا ہے۔ یونانی تنقید سے لے کر نشاۃِ ثانیہ تک ہیئت پر زیادہ زور دیا گیا۔ جس کی وجہ سے تخیل دب کر رہ گیا۔ کائنات، ادب اور فنونِ لطیفہ کی حقیقت (معنی و مفہوم) کا تصور جمود کا شکار رہا۔ پھر مغربی یورپ میں ڈرائیڈن نے اس روایت کو توڑا اور فن کی بجائے تخیل کو اہمیت دی۔ تخیل کے نظریے سے ہی ادبی تنقید اور جمالیات میں رومانوی فکر کا اظہار ہوا۔ ورڈز ورتھ کے زمانے میں رومانویت عروج پر تھی۔ فلسفیانہ سطح پر بھی ہمبولڈ، شلیگل اور ہرڈر نے تخیل کو نیا رُخ دیا۔ جس سے ادبی تنقید کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ جو رومانویت کا دور تھا۔ تنقیدی نقطۂ نظر سے رومانویت نے حقیقت کی نقل کے نظریے کو رد کیا۔ ادب اور حقیقت کے درمیان ایک نیا رشتہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اڈیسن، برک، ورڈز ورتھ، شیلے اور بطورِ خاص کولرج کے تنقیدی نظریات کے ذریعے، جس نے نقل کے بجائے فطرت کو فن کار کی شخصیت کا حصہ بنا دیا۔ یوں کولرج نے ادب اور حقیقت کو وحدت میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ جس سے معروضیت اور موضوعیت کی نئی بحث شروع ہوئی۔ روایتی تنقید میں مذکور بالا تنقیدی تصورات نے ادبی تھیوری کے مابعد جدید رجحان کے لیے ایک ڈھانچہ تیار کیا جو نئی تنقید کی صورت میں ابتدائی طور پر سامنے آیا۔

قدیم فلسفیوں کے جمالیاتی نظریات نے جس طرح اٹھارویں اور انیسویں صدی کے فلسفے پر گہرے اثرات مرتب کیے، موجودہ ادبی مطالعات بھی انہی کے زیرِ اثر ہیں۔ لیکن تنقیدی تھیوری کی ذیل میں روایتی تنقید اور نئی تنقید میں ایک واضح فرق نظر آتا ہے۔ روایتی تنقید عام طور پر سوانحی یا تاریخی شعور سے آگے نہیں بڑھی۔ جب کہ نئی تنقید نے متن کی تفہیم کے دوران نہ صرف متن مرکز تصور قائم کیا بلکہ ایک سائنسی طریقِ کار بھی اختیار کیا۔ جس سے نئی تنقید میں ادبی متن کو سائنسی صداقت کے مترادف سمجھا جانے لگا۔ اب تنقید کا دائرہ تخلیقی عمل سے نکل کر ادبی ساخت پر مرکوز ہونے لگا جس سے جدید ادبی تھیوری کے نقوش ابھرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انیسویں صدی کے آخر میں رومانویت کے ردِ عمل میں ہیئتی تنقید (جو ادب کے محرکات اور عوامل سے احتراز کرتے ہوئے ادب کی ادبیت پر زور دیتی ہے) سامنے آئی۔ جس نے نہ صرف رومانویت کو چیلنج کیا بلکہ روایتی تنقید پر بھی کاری ضرب لگائی۔ جس سے نئی تنقید سامنے آئی۔ جو ہیئتی تنقید کا تسلسل ہے۔ جس نے مصنف یا قاری اساس رویے کے بجائے متن اساس رویہ اپنایا اور متن کے مرکوز مطالعہ پر زور دیا۔ ادبی تھیوری بھی متن اساس ہے اور متن کے مرکوز مطالعہ پر توجہ دیتی ہے۔ بقول قاسم یعقوب:

"ادبی تھیوری مصنف کو نہیں متن کو اپنی اساس بناتی ہے۔ متن خود فیصلہ کرتا ہے کہ اُسے کیسے پڑھا جائے؟ سائنس کے اُس عمل کی طرح کہ اگر فطرت کو سمجھنا ہے تو فطرت سے ہی پوچھا جائے کہ وہ کیا ہے اور کس طرح عمل کر رہی ہے۔ بجائے اس کے کہ کوئی پہلے سے موجود نظریہ یا بیانیہ اُس کی تشریح کرے۔(18)

اس بیان سے واضح طور پر ادبی تھیوری کو نہ صرف نظریے سے الگ کیا جا سکتا ہے بلکہ اُس کی روایت کا تعین کرتے ہوئے روایتی تنقید سے بھی الگ کیا جا سکتا ہے۔ مغربی کلاسیکی عہد میں افلاطون اور ارسطو فن کو اتنا اہم سمجھتے تھے کہ اسے سماوی امانت سمجھا جانے لگا۔ جس سے مصنف کی شخصیت خود بخود غیر اہم ہو جاتی ہے۔(لیکن مصنف کی انفرادیت بہ ہر حال قائم رہتی ہے) یہی وجہ ہے کہ پیٹر بیری ارسطو کو قاری مرکز تصور کی بنیاد رکھنے والا پہلا نقاد تسلیم کرتا ہے۔(محولہ بالا)،(کیونکہ فن پر زور دینے کی وجہ سے قاری کا براہِ راست تعلق متن سے بنتا ہے۔ جو فن سے لطف کشید کرتا ہے)۔ اس کے ساتھ ساتھ روایتی تنقید میں جہاں فن اہم رہا، وہاں تاریخی سوانحی تنقید بھی اِس کا خاصا رہی۔ اِس لیے متون کے تجزیے کے دوران عام طور پر مصنف کی شخصیت در آتی ہے۔ جسے ادبی تھیوری تنقید کا نشانہ بناتی ہے۔ ہیئتی تنقید، جس کی واضح شکل نئی تنقید کی صورت میں سامنے آئی، سوسیئر کے فلسفۂ لسان کے بعد نئی تنقید کو ادبی تھیوری کا دوسرا اقدام کہا جا سکتا ہے۔ جس کی شاخیں میتھیو آرنلڈ کے قول "ادب تنقیدِ حیات ہے" سے نکلتی ہیں۔ نئی تنقید نے روایتی تنقید کے بر خلاف تاریخی و سوانحی معلومات کی نفی کی اور متن (ادب) کو خود مختار اور خود مکتفی اکائی قرار دیا۔ بقول ناصر عباس نیر:

"نئی تنقید نے اپنی ابتدائی معنویت تاریخی، سوانحی تنقید کے خلاف ردِ عمل ظاہر کر کے قائم کی۔ تاریخی تنقید فن پارے اور قاری کے درمیان تاریخی اور سوانحی معلومات کا کوہِ گراں کھڑا کرتی ہے اور یوں دونوں کے براہِ راست رابطے اور مکالمے کو محال بنا دیتی تھی۔ نئی تنقید نے اس کوہِ گراں کی موجودگی پر پردوں کو چاک کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔ مطالعہ ادب کے سلسلے میں اول اول تاریخی اور سوانحی کوائف اور بعد ازاں خود مصنف کے منشا کو بھی مسترد کیا اور اس ضمن میں یہ استدلال قائم کیا کہ ادب پارہ اپنے علاوہ کسی اور شے پر منحصر نہیں۔ وہ خود کفیل اور خود مکتفی اکائی ہے۔(19)

جدید تنقید میں ادبی تھیوری روایتی تنقید کے بر خلاف متن اساس تنقید ہے۔ درج بالا اقتباس سے اس بات کا احاطہ بھی بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ نئی تنقید سے پہلے روایتی تنقید کا ادب کی تعبیر و تنقید کے لیے ایک مخصوص نظریہ تھا جبکہ یہ نظریہ نئی تنقید سے مابعد جدید تنقید سے پہلے تک بہت تیزی سے تغیر و تبدل کے مراحل سے گزرتا رہا اور بالآخر مابعد جدید تنقید میں یہ نظریہ اپنے روایتی سیاق اور تناظر سے بالاتر ہو کر تھیوری کی شکل اختیار کر گیا جو اپنی

نوعیت میں کثیر الجہات ہے۔ اور نہ صرف کثیر الجہات ہے بلکہ اس کا حقیقت کی تلاش و ادراک یا متن کی تعبیر کا طریق کار بھی نظریے سے مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظریہ اور تھیوری مابعد جدید عہد میں دو مختلف پہلو ہیں۔ اولالذکر کا تعلق خود مکتفی اکائی سے ہے جبکہ ثانی الذکر کا تعلق سماجی و ثقافتی تشکیل سے ہے۔ نظریہ خود مکتفی اکائی کا رہبر ہے جبکہ تھیوری، متن کے مخفی تشکیلی نظام اور محرکات کی نشاندہی متن کے وسیلے سے کرتی ہے۔ ادبی نظریہ اور ادبی تھیوری دونوں ادب کے مطالعے سے متعلق مختلف نقطۂ نظر کو بیان کرتے ہیں۔ ادبی نظریہ بنیادی طور پر عدسے کا کام کرتا ہے جس کی روشنی میں متن کو پڑھا اور سمجھا جاسکتا ہے۔ جب کہ ادبی تھیوری متن کو ہی عدسہ بنالیتی ہے اور اُس سے نمایاں ہونے والے تشکیلی نظام اور محرکات نمایاں کرتی ہے۔ جس سے متن کا مرکوز مطالعہ اور تفہیم ممکن ہوتی ہے۔ ادبی نظریہ سے مراد وہ اصول ہیں جو کسی متن کے داخلی و خارجی تجزیے اور علم سے حاصل ہوتے ہیں، جن کا اطلاق کسی متن کی تجزیاتی یا تشریحی صورتحال میں کیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں تنقیدی مشقوں (عوامل) کا انحصار نظریات کے بنیادی ڈھانچے پر ہوتا ہے۔ جبکہ ادبی تھیوری سماجی و ثقافتی جہات نمایاں کرتی ہے اور کسی فن پارے کی تشکیل کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ ایک حصہ فن پارے کی تشکیل تک یعنی (ماقبل معنی) اور دوسرا فن پارے کی تشکیل کے بعد یعنی (مابعد معنی) کا ہے۔ اس حوالے سے قاسم یعقوب لکھتے ہیں:

> "قبل معنی کا مرحلہ فن پارے کی تشکیلی حالتوں کا مرحلہ ہے۔ ایک فن پارہ کس طرح معنی کی حدوں تک پہنچتا ہے اُس میں معنی خیزی کی نوعیت کیا ہے؟ متن کی تیاری میں وہ کون کون سے عوامل تھے جنھوں نے متن کی معنی خیزی میں کردار ادا کیا ہے۔ دوسرا مرحلہ مابعد معنی کا ہے یعنی متن میں موجود معنی کی درجہ بندی، معنی کی تنوع پذیری اور اُس کی Perception کے مسائل۔ پہلے مرحلے میں ہم سائنسی طور پر چند نتائج کی بنیاد پر معنی خیزی کے عمل کی اصل کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔ گویا یہ Inquiry of Text ہے جو متن کی کارگزاری کا مطالعہ کرتی ہے جب کہ دوسرا مرحلہ معنی کی ذاتی یا نظریاتی بنیادوں پر تشریح کرتا ہے جو اقداری اور متنوع ہو سکتی ہے یا لازماً ہوتی ہے۔ پہلا مرحلہ ادبی تھیوری کہلاتا ہے۔ جب کہ دوسرا مرحلہ روایتی تنقید Traditional Criticism کہلاتا ہے"۔(20)

قاسم یعقوب کے اس دعوے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ادبی تھیوری اور نظریہ دونوں الگ باتیں ہیں۔ یعنی نظریہ ذاتی ہوسکتا ہے جب کہ ادبی تھیوری نظریات اور تصورات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے نظریہ متن کی تشریح اپنے حساب سے کرتا ہے یعنی نظریہ ادبی متون کی تشریح اس طرح کرتا ہے جس طرح وہ نظریہ خود اسے

دیکھتا ہے۔ جب کہ ادبی تھیوری ادبی متون کے اپنے معنی سامنے لاتی ہے۔ یعنی ادبی تھیوری ادبی متون کی اُس طرح تشریح کرتی ہے جس طرح وہ متون خود موجود ہوتے ہیں۔ یہی امتیاز روایتی اور جدید تنقید کا بھی ہے۔ یعنی تصور مرکز اور متن مرکز تنقید میں خطِ امتیاز ادبی نظریے کو ادبی تنقیدی تھیوری سے الگ کرتا ہے۔ قاسم یعقوب نظریہ اور ادبی تھیوری میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ادب کو سمجھنے کے "نظریات" اور ادبی تھیوری میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ نظریہ ادبی متون کی اس طرح تشریح کرتا ہے جس طرح وہ نظریہ خود اسے دیکھتا ہے جب کہ ادبی تھیوری ادبی متون کی اُس طرح تشریح کرتی ہے جس طرح وہ متون خود موجود ہوتے ہیں"۔(21)

درج بالا اقتباس کی روشنی میں دیکھیں تو ادبی تھیوری کا سروکار صرف متن سے ہے۔ اس لیے ادبی تھیوری صرف متن اساس مطالعے پر توجہ دیتی ہے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مصنف اساس، قاری اساس یا تناظر اساس مطالعہ تھیوری کی ذیل میں نہیں آتا؟ مصنف اساس تنقید کے حوالے سے ہونے والی تنقید اقداری نوعیت کی ہوتی ہے۔ جبکہ ادبی تھیوری اقداری ہونے سے گریز کرتی ہے۔ اس لیے مصنف اساس تنقید چاہے کسی بھی مکتبۂ فکر سے ہو ادبی تھیوری کی ذیل میں نہیں آئے گی۔ قاری اساس تنقید کے حوالے سے دیکھیں تو وزیر آغا تنقیدی تھیوری کی ذیل میں متن اور قاری دونوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ اُن کے بقول:

> "بیسویں صدی کی تھیوری نے بھی مصنف سے صرفِ نظر کر کے متن اور قاری کو اہمیت دی اور اُن کی جن صورتوں کو پیش کیا وہ "مرکز آشنا" نہیں تھیں، وہ رشتوں کی Interactions تھیں۔۔۔ اصل بات یہ ہے کہ تنقیدی تھیوری نے ہمیں قاری کی تخلیقی کارکردگی کا احساس دلایا ہے"۔(22)

وزیر آغا کی رائے کے مطابق قاری بھی تھیوری کے عمل کا حصہ ہے۔ لیکن بقول ناصر عباس نیر قاری اساس تنقید ایک لحاظ سے موضوعیت کی شکار رہتی ہے جس سے اس کا اکہرا پن واضح ہو جاتا ہے (23)۔ جب کہ ادبی تھیوری متن اساس ہونے کی وجہ سے اکہری نہیں بلکہ کثیر الجہات ہے۔ اس لحاظ سے قاری اساس تنقید آئیڈیالوجی (نظریہ) کے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ تناظر اساس تنقید میں بھی متن کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ نئی تنقید نے متن کا جو تصور دیا وہ لسانی پیکر یا اسلوبیاتی تھا۔ متن جن لسانی و ثقافتی رشتوں یا عناصر سے تشکیل ہوتا ہے، نئی تنقید نے اُس کی طرف دھیان نہ دیا۔ سیاق اساس یا کلچر اساس تنقید نے انہی رشتوں کو نمایاں کرتے ہوئے متن کی حقیقت کا اضافی تصور دیا ہے جس سے بین المتونیت کا تصور قائم ہوا۔ ناصر عباس نیر اس حوالے سے تھیوری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تھیوری (مابعد جدید تھیوری) نے متن کی تہ میں مضمر اور متن کی ساخت میں رواں "حکمت عملیوں" اور "رشتوں" کو منکشف کیا ہے اور دکھایا ہے کہ یہ حکمت عملیاں اور رشتے ثقافتی ہیں اور یوں متن ایک باقاعدہ ثقافتی ادارہ ہے!۔۔۔ تھیوری پوری ثقافتی نظام کو غیر روایتی مطالعاتی طریقوں سے سمجھنے اور نظریانے کی ایک فلسفیانہ کوشش ہے"۔(24)

ڈاکٹر ناصر عباس نیر بھی متن کو ثقافتی تشکیل کہتے ہیں جس سے متن کی خود مکتفی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اور بین المتونیت کی تھیوری سامنے آتی ہے۔ جو نہ صرف متن کو تکثیریت سے جوڑتی ہے بلکہ معنی کی کثرت کا واضح اشارہ بھی کرتی ہے۔ جس سے متن و معنی کی وحدت پر کاری ضرب لگتی ہے۔ اور یہ تھیوری ہی کی بدولت ہے جو متنوع متون، ثقافتی مظاہر اور سماجی طبقات وغیرہ کی ہم رشتگی کو واضح کرتی ہے اور ان کی انفرادیت یا خود مختاری کو چیلنج کرتی ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ تھیوری، متن اور اس کے سیاقات و انسلاکات نمایاں کرتی ہے اور متن کو ثقافتی ادارہ سمجھتی ہے۔ یہاں ثقافتی کی نسبت متن کی حیثیت ثانوی نہیں بلکہ پرائمری ہے۔ اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ لفظ تھیوریا، جسے ابتدا میں الوہی علم کے حصول، خدا کی تلاش، اور اس کے خصائص کے لیے بطور اصطلاح استعمال کیا جاتا تھا، کلاسیکی دور میں اس تھیوریا کے یہ مطالب بدل کر غور و فکر سے متعلق ہو گئے۔ اس میں سے الوہی صفات یا خصوصیات کو حذف کر دیا گیا اور اس کی جگہ ادب و تنقید میں پہلے پہل منشائے مصنف کی تلاش نے لے لی۔ وہ حقیقت جو اکائی پر مشتمل تھی وہ نظریاتی سطح سے ہٹ کر تھیوری کی سطح پر اضافیت سے مملو ہو گئی۔ تھیوری کے اصطلاحی معانی و مطالب میں یہ تغیر و تبدل ادبی تاریخ کے ہر عہد میں نمایاں نظر آتا ہے۔ یونانی فلسفے سے لے کر روشن خیالی پروجیکٹ، جدیدیت اور مابعد جدیدیت تک، تھیوری اپنی نئی شکل اختیار کر چکی ہے جو کلیت، حتمیت اور خود مختاریت و مرکزیت کے تمام مہابیانیوں سے احتراز برتتی ہے، واحد معنی کے بجائے تکثیرِ معنی پر زور دیتی ہے۔ افتراق و التوا جیسے دریدائی قضایا کو ردِ تشکیلی طریق کار کے لیے استعمال کرتی ہے۔ اس طرح تھیوری کی معنویت میں حقیقت اور اصلیت کے بجائے اضافیت کا تصور موجود ہے اور سماجی و ثقافتی تشکیلی رشتوں پر مشتمل ہے۔ یعنی ایک طرف تھیوریا جہاں یک رخی اور واحد اکائی پر مشتمل تھا وہاں آج عصری تنقیدی رجحانات میں یہ کثیر جہتی اور کثیر الثقافتی تھیوری پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصری تنقیدی تھیوری متن، قاری اور مصنف کی تثلیث پر مشتمل ہے۔ نئی علمیات کے مطابق اب یہ صرف متن مرکز مطالعے کی قائل نہیں ہے بلکہ اس تثلیث کے لامحدود تخلیقی رویوں اور تعبیری جہات کو بیک وقت نمایاں کرتی ہے۔ تھیوری کا یہ تنوع نئی سے نئی علمیات کی بدولت آنے والے وقت میں مزید نکھر کر سامنے آئے گا۔

حوالہ جات و حواشی

1. Gilbert, Richard, Edt. The Philosophy Book, DK Publisher, New York (America), 2016, P. 18
2. Henry George Liddell, D.D, Robert Scot, D.D, A Greek English Lexicon, American Book Company, New York, Chicago, 1882, P. 673
3. Henry George Liddell, D.D, Robert Scot, D.D, A Greek English Lexicon, P. 673
4. Gilbert, Richard, Edt. The Philosophy Book, P. 22
5. Gilbert, Richard, Edt. The Philosophy Book, P. 26

۶۔ کیرن آرمسٹرانگ، تہذیبوں کی کایا کلپ، پروفیسر حنیف کھوکھر (مترجم)(لاہور، مشعل بکس، ۲۰۰۹ء) ص ۴۳۹

۷۔ وہاب اشرفی، قدیم مغربی تنقید (اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۲ء) ص ۲۵

8. Burkert, Walter. Lore and Science in Ancient Pythagoreanism, Harvard University Press, Cambridge, Massachusetts, 1972. P. 467-468

9۔ حامدی کاشمیری، پروفیسر، تھیوری کیوں؟، مضمون مشمولہ ادبی تھیوری (ایک مطالعہ)، قاسم یعقوب (مرتب)(کراچی، سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۷ء) ص ۶۲

10۔ اقبال آفاقی، ڈاکٹر، نظریاتِ جمال و فن: افلاطون سے لیوتار تک (اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۸ء) ص ۶۰

11۔ کیرن آرمسٹرانگ، تہذیبوں کی کایا کلپ، پروفیسر حنیف کھوکھر (مترجم)، ص ۴۵۵

12۔ پیٹر بیری، بنیادی تنقیدی تصورات (تھئیری / تناظرات)، الیاس بابر اعوان (مترجم)(لاہور، عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء) ص ۴۱

13. Online Etymological Dictionary
14. Heidegger, Martin. Science and Reflection, Trans. William Lovett. New York, Harper & Row, 1977. P. 165

15۔ محمد حسن، مشرق و مغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ (کراچی، بک ٹائم، ۲۰۱۸ء) ص ۹۰

16۔ ایضاً، ص ۶۲-۶۱

17. van Gelder, G. J. H. Beyond the Line: Classical Arabic Literary Critics on the Coherence and Unity of the Poem, Brill Publishers, 1982, p. 1–2

18۔ قاسم یعقوب (مرتب)، ادبی تھیوری: ایک مطالعہ (کراچی، سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۷ء) ص ۹

19۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، جدید اور مابعد جدید تنقید (مغربی اور اردو تناظر میں) (کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت سوم، ۲۰۱۶ء) ص ۴۶

20۔ قاسم یعقوب (مرتب)، ادبی تھیوری: ایک مطالعہ (کراچی، سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۷ء) ص ۹-۸

21۔ ایضاً، ص ۹

22۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقیدی تھیوری کے سو سال (لاہور،، سانجھ پبلی کیشنز ۲۰۱۲ء) ص ۱۳۷

23۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، جدید اور مابعد جدید تنقید (مغربی اور اردو تناظر میں)، ص ۱۸۶

24۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، جدید اور مابعد جدید تنقید (مغربی اور اردو تناظر میں)، ص ۳۰۴-۳۰۶